ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں قربانی کا گوشت مدینہ واپس پہنچنے کیلئے جمع کر لیا کرتے تھے۔اور کئی مرتبہ آپ ﷺ نے (لحوم الاضاحی کی جگہ) لحوم الھدی فرمایا

اس گفتگو سے جہاں قربانی کے جانوروں کے اعلیٰ معیار کا پتہ چلا ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قربانی کے گوشت کو زیادہ عرصہ تک محفوظ رکھنا جائز ہے۔دور حاضر الیکٹرانک دور ہے۔ خوراک آجکل پیکنگ میں طویل عرصہ تک تازہ رہ سکتی ہے لہذا قربانی کے گوشت کو کافی عرصہ تک محفوظ کیا جاسکتا ہے اور قربانی کے جانوروں پر خرچ کی جانے والی رقوم کو دیگر فلاحی کاموں کیلئے وقف کرنا دقیانوسی اور غلط قدم ہے اور یہ سوچ بھی غلط ہے کہ قربانی منڈیوں میں بحران پیدا کرتی ہے۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قربانی کے جانور معاش کی منڈیوں میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ تفسیر ابوالسعود ص، ۲۰۔ج ۲ مطبوعۃ المصریہ ۱۳۲۷ھ

۲۔ احکام القرآن للجصاص ص ۴۸۷ ج ۲ المطبعۃ مصریہ

۳۔ المفردات لامام الراغب اصفہانی، ص ۱۴۰۸ اصح المطالع کراچی

۴۔ القرآن المجید، سورۃ الکوثر (۲)

۵۔ مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ص ۳۰۲ ج ۳ مکتبہ امدادیہ ملتان

۶۔ لسان العرب لابن منظور الافریقی ص ۲۲۱ ج ۱۹

۷۔ المغنی لابن قدامۃ الحنبلی ص ۶۱۷ ج ۸۔ درالمنار مصر

8۔ Prof .v .A Demanat Religion and Decline of capitalism , New y0rk,1952,p,147

۹۔ معارف القرآن جلد ششم صفحہ ۲۶۷ ناشر۔ادارہ المعارف کراچی نمبر ۱۴

۱۰۔ سنن ابن ماجہ (عربی اردو) جلد دوئم صفحہ ۲۶۴ مطبع سندھ ساگر پرنٹر لاہور ناشر فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار، لاہور۔

۱۱۔ صحیح بخاری عربی اردو جلد سوئم صفحہ ۲۱۵ مطبع سندھ ساگر پرنٹر لاہور ناشر فرید بک سٹال۔ ۴۰ اردو بازار، لاہور۔

۱۲۔ صحیح بخاری عربی اردو جلد سوئم (کتاب الاضاحی) صفحہ ۲۱۵ مطبع سندھ ساگر پرنٹر لاہور، ناشر فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار، لاہور۔

۱۳۔ صحیح بخاری عربی اردو جلد سوئم صفحہ ۲۲۰ مطبع سندھ ساگر پرنٹر لاہور۔ناشر فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار، لاہور۔

۱۴۔ صحیح بخاری (عربی اردو) کتاب الاضاحی جلد سوئم صفحہ نمبر ۲۱۹ مطبع سندھ ساگر پرنٹرز لاہور۔

۱۵۔ صحیح بخاری (عربی اردو) کتاب الاضاحی جلد سوئم صفحہ نمبر ۲۱۹ مطبع سندھ ساگر پرنٹرز لاہور۔

عہدِ اکبری میں عربی و اسلامی ادبیات کا فروغ

ڈاکٹر محمد شفقت اللہ
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

اکبر برصغیر پاک و ہند کے دوسرے مغل بادشاہوں کی طرح تعلیم یافتہ نہ تھا۔ اس کی تحصیلِ علمی میں بوجوہ رکاوٹیں در پیش رہیں مگر اس کے باوجود وہ دوسرے مغل حکمرانوں کی طرح علمی ذوق سے بہرہ مند اور علم دوست بادشاہ تھا۔ اس سلسلے میں اسے اپنے دونوں پیش رووں بابر اور ہمایوں پر یہ سبقت حاصل ہے کہ ان دونوں بادشاہوں کے دربار میں نہ تو اس قدر علماء جمع ہوئے جتنے باکمال اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے اور نہ ہی دونوں بادشاہوں کے دور میں عربی میں اس قدر کتابیں لکھی گئیں جتنی اس کے دور حکومت میں تصنیف ہوئیں۔

ہمایوں کو اپنی حرمان نصیبی، پریشان حالی اور اپنے جیالے حریف کے سامنے شکست و پسپائی نے کہیں ٹکنے نہ دیا اور اسے اپنی سلطنت کے اس وارث اور ہونہار بیٹے کے ساتھ چند سال رہنے کا موقع بھی نہ ملا۔ مستقبل کے مغلِ اعظم اور شہنشاہِ ہند کی تعلیم و تربیت پر اس کا سرپرست باپ نہ تو کماحقہ توجہ دے سکا اور نہ ہی اس کی صحیح طور پر نگرانی کر سکا۔ تاہم اس نے اکبر کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ضرور کیا تھا۔ ملّا عبدالقادر بدایونی نے اکبر کے اساتذہ کی فہرست میں ملّا عصام الدین، مولانا بایزید، ملّا پیر محمد خان، نقیب خان اور میر عبداللطیف قزوینی کے نام گنوائے ہیں۔(۱)

بایں ہمہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ تھا اور نہ ہی وہ محض اَن پڑھ تھا جیسا کہ اس کے نمک خوار مؤرخوں نے اسے علومِ ظاہری کی تحصیل کے بغیر فیوض کا لامتناہی منبع قرار دیا ہے تاکہ اس کی عقل و دانش کو وہبی و الہامی اور غیر اکتسابی قرار دے کر اسے تلامیذ الرحمٰن کے زمرے میں شامل کر سکیں۔ مؤرخین کے اکبر کو اُمّی محض قرار دینے کے بارے میں صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

''بہر حال اکبر کے امّی محض ہونے کا دعویٰ شک و شبہ سے خالی نہیں''(۲)

اسی طرح پروفیسر سعید احمد رفیق کا بھی یہی خیال ہے :

''اکبر پر ایک زبردست الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ان پڑھ تھا لیکن تاریخ دان اس کو غلط ثابت کر چکے ہیں۔''(۳)

معمولی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود وہ علوم و فنون کا مشتاق، علماء کا قدردان، علمی مذاکروں کا شائق، اعلیٰ پائے کی علمی و ادبی کتب پڑھوا کر سننے کا رسیا اور بہترین علمی مذاق سے بہرہ مند تھا۔ ابوالفضل کہتا ہے :

''علماء و فاضلانِ آگاہ دل کتابوں کی نوعیت کے متعلق جہاں پناہ سے عرض کرتے ہیں اور بادشاہِ علم پرور ہر کتاب کو اوّل سے آخر تک سنتے ہیں۔ ہر روز جس صفحے یا سطر تک کتاب پڑھی جاتی ہے حضرت خود اپنے قلم سے اس مقام پر ہندسۂ شمار تحریر فرما دیتے ہیں اور پڑھنے والوں کو عددِ اوراق کے مطابق زرِ سرخ و سفید بطورِ انعام عطا ہوتا ہے۔

شاید ہی کوئی مشہور کتاب باقی رہ گئی ہو جو محفلِ شاہی میں پڑھی نہ گئی ہو اور کوئی داستانِ قدیم، کلماتِ حکمت اور عجائباتِ علوم ایسے نہ ہوں گے جو اس پیشوائے عقل کو یاد نہ ہوں۔ قبلۂ عالم کسی کتاب کو مکرر سننے سے کبیدہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ بے حد شوق کے ساتھ کتابوں کو بہ قراءت سماعت فرماتے ہیں۔ اخلاقِ ناصری، قابوس نامہ، مکتوباتِ شرف منیری، گلستان، حدیقہ، بوستان، مثنویٔ معنوی، جامِ جم، شاہنامہ، خمسۂ شیخ نظامی، کلیاتِ خسرو و مولانا جامی، دیوانِ خاقانی و انوری اور دیگر کتب ہمیشہ محفل مبارک میں پڑھی جاتی ہیں۔''(۴)

علوم و فنون کے ذوق، اربابِ علم کی صحبتوں، علمی نکات اور فنی مسائل پر بحث و تمحیص اور بلند پایہ کتابوں کی مکرر در مکرر سماعت سے اس کو تاریخی واقعات، ادبی نکات اور علم و فن کی باریکیاں ازبر ہو گئی تھیں ''توزکِ جہانگیری'' میں ہے :

''بدقائقِ نظم و نثر چناں میرسد کہ مافوقے بر آن متصور شد''(۵)

جہانگیر تو اکبر کا فرزند سہی باپ کے مناقب میں اس کی گواہی کسی قدر کمزور قرار دی جا سکتی ہے یا اسے مسترد بھی کیا جا سکتا ہے لیکن فرشتہ کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وہ لکھتا ہے :

''اگرچہ حظِ سوادِ کامل نداشت، اماّ گاہے شعر گفتے و درعلمِ تاریخ و قوفے داشت و قصصِ ہند نیکو می دانست''(۶)

اکبر کے علمی ذوق کے بارے میں محمد حسین آزاد لکھتے ہیں :

''علم کا مذاق بلکہ علوم و فنون کا شوق اور قدردانی کا جوش جو اس کو تھا کوئی عالم بادشاہ بھی ہو تو اسے شاید اتنا نہ ہو...... راتوں کو ہمیشہ کتابیں پڑھواتا اور سنتا تھا علمی باتیں تھیں اور علمی چرچے تھے۔''(۷)

عہدِ انگلشیہ میں برصغیر کی ایک علمی شخصیت اور جدید مؤرخ مولوی ذکاء اللہ نے اکبر کی تعلیم اور علمی استعداد کے بارے میں لکھا ہے :

''ہر چند اس کی تعلیم میں کوشش کی گئی اور کئی معلم بدلے گئے مگر اس نے مکتب میں معلم سے کچھ علم حاصل نہ کیا۔ جو رِاستاد سے نہیں بلکہ اپنی طبعِ خداداد سے استعداد حاصل کی جس کو اربابِ حکمت واصحابِ ریاضت و صاحبانِ علومِ ظاہری ووارثانِ صنائعِ کلی و جزوی دیکھ کر دنگ ہوتے تھے۔''(۸)

اکبر اگرچہ فارسی جانتا تھا اور اسے فارسی علوم وادبیات سے دلچسپی تھی لیکن اسے عربی کتابوں کے علوم و معارف سے بے علم رہنا بھی گوارانہ تھا۔ مؤرخین نے کئی عربی کتابیں پڑھوا کر سننے اور پڑھ کر سنانے والوں سے ان کا مطلب سمجھنے کا ذکر کیا ہے۔ ابوالفضل نے فارسی ادبیات کی پندرہ گراں قدر اور بلند پایہ کتابوں کا نام لیا ہے جو اس کے دربار میں پڑھی جاتی تھیں پھر لکھتا ہے :

''اور دیگر کتب ہمیشہ محفلِ مبارک مین پڑھی جاتی ہیں۔''(۹)

ان ''دیگر کتب'' میں فارسی کی کتابوں کے علاوہ عربی کی بلند پایہ کتابیں بھی ہو سکتی ہیں۔ بدایونی نے ذکر کیا ہے کہ نقیب خاں اکبر کو ''حیٰوۃ الحیوان'' پڑھ کر سناتے اور اس کا مفہوم سمجھاتے تھے۔(۱۰) جب علماء اور اربابِ دانش، عربی کی مفید کتابوں کی اہمیت وافادیت اس کے ذہن نشین کراتے تو وہ ان کی رائے کو اہمیت دیتا تھا۔ حکیم ہمام نے یاقوت الحموی کی ''معجم البلدان'' کے مضامین و معارف کی اہمیت بیان کی تو اکبر نے مترجمین کا بورڈ قائم کر کے اس کا ترجمہ کرایا۔(۱۱)

یہی نہیں بلکہ اکبر یہ بھی چاہتا تھا کہ عربی کتابوں کے مندرجات میں محفوظ علم و دانش کے ذخیروں سے شہزادے بھی روشناس ہوں۔ چنانچہ اس نے شہزادہ سلیم کی تعلیم وتربیت کے لئے شہر زوری کی ''نزہۃ الارواح'' کا مقصود علی تبریزی سے فارسی میں ترجمہ کرایا۔

اکبر کا شاہی کتب خانہ اور اس میں عربی کتابوں کا سیکشن :

اکبر کا کتاب داری کے جدید اصولوں پر استوار ایک منظم کتب خانہ تھا۔ اگرچہ وہ عربی زبان نہیں جانتا تھا تاہم اس کے عظیم الشان کتب خانے میں عربی کی بلند پایہ علمی وادبی اور دینی کتابیں موجود تھیں۔ اس کا کتب خانہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ ایک حصہ محل کے اس حصے میں تھا جسے حرم سرا کہتے ہیں اور دوسرا حصہ حرم سرا سے باہر تھا۔ اکبر کے کتب خانے کے بارے میں ابوالفضل نے لکھا ہے :

> ''جہاں پناہ نے اپنے تبحرِ علمی سے اپنے کتب خانے کو چند حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک شاخ قصرِ شاہی کے اندر ہے اور ایک باہر۔ ان ہر دو شاخوں کو مختلف شعبوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ ہمیشہ تمام علوم وفنون کی کتب ورسائل، قیمت وفنون کی اہمیت کے اعتبار سے مختلف مدارج میں شمار کی جاتی ہیں اور ہندی وفارسی ویونانی وکشمیری وعربی زبانوں کی کتابیں نظم ونثر کے اعتبار سے ترتیب وار پیش گاہِ حضور میں لائی جاتی ہیں۔''(۱۲)

اکبر کے کتب خانے میں عربی کتابوں کی تعداد فارسی کتابوں کے مقابلے میں کم تھی۔ مولانا محمد حسین آزاد اس کتب خانے میں موجود مختلف زبانوں کی کتابوں کے بارے میں بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں :

> ''عربی کا نمبر سب سے اخیر تھا۔''(۱۳)

تاہم اس سلسلے میں اکبر کے کتب خانے کی ایک جدت یہ تھی کہ ہر سال اس کی کتابوں کی اسی طرح "Stock Taking" کی جاتی تھی جس طرح دورِ حاضر میں لائبریری سائنس کے اصولوں کے

مطابق کتب خانوں میں کتابوں کی Stock Taking کی جاتی ہے۔ مولانا آزاد ہی کا بیان ہے :

"سال بہ سال موجودات لی جاتی تھی۔"(۱۴)

عرب حکمرانوں سے خط وکتابت اور عربی اشعار کا برمحل استعمال :

وہ عسکری لحاظ سے برصغیر کا ایک عظیم بادشاہ تھا۔ ایران و توران کے بادشاہوں کے علاوہ حرمین شریفین کے حکمرانوں کے ساتھ اس کی خط وکتابت رہتی تھی۔ وہ مختلف لوگوں کو حج پر بھی بھیجا کرتا تھا اور بعض اوقات شاہی خاندان کی خواتین بھی حج کے ان قافلوں کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے جاتی تھیں۔ اکبر ان کے ہاتھ مستحقین میں تقسیم کے لیے صدقات و عطیات روانہ کرتا تھا۔ بدیں وجہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہاں کے حکام و عوام، اکبر سے واقف ہوں گے اور ان حکام کا اکبر کے ساتھ مراسلت کا سلسلہ بھی ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمیں صرف ایک خط کا پتہ چلا ہے جو شریفِ مکہ نے اکبر کو عربی میں لکھا تھا۔ اس کی عبارت اس قدر دقیق اور اتنی مشکل تھی کہ ابوالفضل، حکیم ابوالفتح گیلانی اور دربار کے دوسرے فضلاء بھی بغیر لغت کے نہ سمجھ سکے۔ خان خاناں نے لغت سے رجوع کئے بغیر اکبر کو یہ خط پڑھ کر اس کا مفہوم سمجھا دیا۔ جس پر اہل دربار نے اسے داد دی۔ (۱۵)

اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ حرمین کے حکام اور اکبر کے درمیان خط وکتابت کا سلسلہ موجود تھا۔ ایران و توران کے بادشاہوں اور اکبر کے مابین کی جانے والی خط وکتابت میں موقع و محل کی مناسبت سے فارسی اشعار لکھے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں والیٔ توران عبداللہ خان اُزبک کے نام ایک ایسے خط کا بھی پتہ چلا ہے جس میں اکبر کی طرف سے عربی زبان کے دو شعروں پر مشتمل ایک قطعہ لکھ کر بھیجا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ والیٔ توران نے اکبر کو لکھا کہ شاہی دربار سے مراسلت کے سلسلے میں اس وجہ سے انقطاع رہا ہے کہ شہنشاہِ ہند کا دینِ حنیف سے انحراف زبان زدِ خلائق ہوگیا ہے۔ اس پر اکبر نے میراں کو حکیم ہمام کے ہمراہ نامۂ شاہی کے ساتھ والیٔ توران کے دربار میں بھیجا اور مذہب کے معاملے میں مبینہ الزام تراشی کے بارے میں اپنے خط میں یہ دو اشعار لکھے :

قیل إن الإله ذو ولد   قیل إن الرسول قد کهنا

مانجا اللّٰہ والرسول معاً من لسان الوریٰ فکیف أنا (۱۶)

(اللہ تعالیٰ کو صاحبِ فرزند و عیال اور اس کے رسولؐ کو کاہن کہا گیا۔ خدا اور اس کا رسولؐ اہل دنیا کی زبان سے محفوظ نہ رہے تو ہم کیسے (محفوظ) رہ سکتے ہیں۔)

اکبر کا سررشتۂ ترجمہ:

مسلمان بادشاہوں، شہزادوں اور امیروں میں دوسری زبانوں کے علوم و معارف کو عربی، فارسی اور اپنی زبانوں میں ترجمہ کرانے کی روایت قدیم ہے۔ خالد بن یزید المتوفی ۸۵ھ وہ پہلا مسلمان شہزادہ ہے جس نے ترجموں کی بنیاد ڈالی (۱۷) اس نے یونانی زبان دانوں کو جمع کیا اور کیمیا، طب اور صنعت وغیرہ کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ (۱۸)

عباسی خلیفہ منصور نے شاہانہ حوصلہ افزائیوں سے ترجمہ و تصانیف پر توجہ کی اور ہارون الرشید نے ترجمہ و تصنیف کا باقاعدہ محکمہ قائم کر کے اسے ''بیت الحکمت'' کا نام دیا۔ ہارون و مامون کی توجہ اور دلچسپی سے یونانی علوم و فنون کی کتابیں کثرت سے عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ (۱۹)

برصغیر کے مسلمان حکمرانوں میں سے سلطان فیروز شاہ تغلق نے ہندوؤں کی قدیم کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ وہ جب جوالہ مکھی پہاڑ پر گیا تو اسے پتہ چلا کہ اس بت خانے میں تیرہ سو کتابیں قدیم زمانے کی موجود ہیں تو اس نے ان کے ترجمہ کیے جانے کا حکم دیا اور موسیقی و نجوم سے متعلق کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ نجوم کی ایک کتاب کا عزالدین نے منظوم ترجمہ کیا۔ ان میں سے بعض کے ترجمے مثلاً رزم نامہ وغیرہ لاہور میں خود بدایونی نے بھی دیکھے تھے۔ (۲۰)

ہماری معلومات کے مطابق متحدہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں میں سے اکبر وہ پہلا شخص ہے جس کے دور میں ہندی، یونانی، عربی اور فارسی زبانوں کی کتابوں کے ماہرین کو جمع کر کے ان زبانوں کی کتابوں کا ترجمہ کرایا گیا۔ ابوالفضل کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شعبہ کی کارگزاری بھی اس کو پیش کی جاتی تھی۔ (۲۱)

ابوالفضل نے اس شعبے کا نام سررشتۂ نقل و ترجمہ بتایا ہے۔ (۲۲)

اکبر کے دور میں یہ ایک باقاعدہ شعبہ تھا چنانچہ پروفیسر سعید احمد رفیق لکھتے ہیں:

"ترجمہ کا ایک خاص سررشتہ تھا۔"(۲۳)

ابوالفضل نے اس سررشتہ کی تفصیل اور طریق کار کو اس طرح بیان کیا ہے :

"اہل زبان اور زبان دان حضرات کا ایک گروہ ہمیشہ ہندی، یونانی، عربی و فارسی زبانوں کی کتابوں کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کرتا ہے۔"(۲۴)

عربی کتابیں جن کا اکبر کے حکم سے فارسی میں ترجمہ کیا گیا

۱- حیٰوۃ الحیوان :

یہ علم الحیوانات کے موضوع پر شیخ کمال الدین محمد بن عیسیٰ دمیری شافعی متوفی (۸۰۸ھ) کی تصنیف ہے۔ اکبر کو اس کے مضامین و معلومات سے دلچسپی تھی۔ نقیب خان یہ کتاب پڑھ کر سناتے اور اس کا مطلب سمجھاتے تھے۔ اکبر کو اس کے مندرجات اس قدر پسند آئے کہ اس نے اس کا فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ شیخ مبارک بن خضر ناگوری نے اس کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ء) میں مکمل ہوا۔(۲۵)

۲- معجم البلدان :

یہ ابو عبداللہ شہاب الدین محمد بن عبداللہ حموی رومی (متوفی ۶۲۶ھ) کی تالیف ہے۔ جو دیار و امصار کے حالات اور جغرافیائی معلومات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ مختلف علاقوں کی مشہور شخصیات، قابل ذکر واقعات اور مفید حکایات کا خزینہ بھی ہے۔ ۹۹۸ھ (۱۵۸۹ء) میں حکیم ہمام نے اکبر کے سامنے اس کی تعریف کی اور اس میں بیان کردہ عجیب و غریب واقعات اور مفید مضامین کو سراہا۔ تو اکبر نے دس بارہ عراقی علماء اور ہندوستانی علماء میں سے عبدالقادر بدایونی کو اس بورڈ میں شامل کر کے فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔(۲۶) مولوی ذکاء اللہ نے اس کے مترجمین میں "شیخ بھورا" اور ملا احمد ٹھٹوی کے نام بھی گنوائے ہیں۔(۲۷)

۳- جامع رشیدی :

یہ خواجہ رشید الدین فضل اللہ الوزیر (متوفی ۷۱۸ ھ) کی ضخیم تالیف ہے۔ اکبر نے ۱۰۰۰ھ بمطابق ۱۵۹۱ء میں اپنے قیامِ لاہور کے دوران اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ ابوالفضل امورِ ترجمہ کے نگران اور میر نظام الدین بخشی اور ملا عبدالقادر بدایونی ترجمہ کرنے پر مامور ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اموی، عباسی اور مصری خلفاء کے شجرے (جن کا سلسلہ، رسول اللہؐ سے اور ان سے پہلے تمام انبیاء پر جا کر ختم ہوتا ہے) کو عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ اکبر نے اس کو خزانۂ عامرہ میں داخل کر دیا۔(۲۸)

۴- نزھۃ الأرواح و فرحۃ الأفراح :

یہ شمس الدین محمد الشہر زوری کی تالیف ہے جس میں یونان و مصر کے ایک سو گیارہ حکماء کے حالاتِ زندگی اور علمی کارنامے لکھے گئے ہیں۔ اکبر نے شہزادہ سلیم کی تعلیم کے لیے مقصود علی تبریزی سے اس کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔(۲۹)

صباح الدین عبدالرحمٰن جامی کے مطابق دارالمصنفین کی لائبریری میں اس کا ایک ناقص نسخہ موجود ہے۔(۳۰)

دارالترجمہ میں اکبر کے حکم سے ترجمہ کی جانے والی کتابوں کے بارے میں مؤرخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر کے ذہن میں ترجمہ کرانے کے بارے میں ایک باقاعدہ لائحۂ عمل موجود تھا۔ اکبر کسی زبان میں لکھی گئی کتاب کا دوسری زبان میں ترجمہ کرانے کے لیے ہر دو زبانوں کے ماہرین کی خدمات حاصل کرتا تھا، مثلاً جب اس نے ''معجم البلدان'' کا ترجمہ کرایا تو اس کے لیے ملا احمد ٹھٹھوی، قاسم بیگ، شیخ بھورا اور ملا عبدالقادر بدایونی کے ساتھ چند عراقی علماء کو بھی اس خدمت پر مامور کیا۔ اسی طرح زیج جدید، تالیف مرزا الغ بیگ کا فارسی سے سنسکرت میں ترجمہ کروایا تو یہ کام کشن جوگی، گنگادھر اور مہیش مہانند کے سپرد کیا۔ ان کی علمی معاونت کے لیے میر فتح اللہ شیرازی اور ابوالفضل کو مامور کیا تاکہ سنسکرت دانوں سے فارسی سمجھنے میں کوئی فروگذاشت ہو تو یہ انہیں فارسی کے مطالب و مفاہیم بخوبی سمجھا دیں اور سنسکرت ترجمے میں فارسی

عبارتوں کا مفہوم پوری طرح واضح نہ ہونے پائے تو اس کی نشان دہی بھی کر دیں۔(۳۱)اور اسی طرح جب ملا عبدالقادر بدایونی کو چوتھے وید (اتھر وید) کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا تو ایک نو مسلم برہمن شیخ لہاون کو سنسکرت کی عبارتیں اور ان کا مفہوم و مدعا سمجھانے کے لیے ملابدایونی کے ساتھ معاون مقرر کیا۔(۳۲)

وہ کام جسے آج یونیورسٹیوں، تحقیقی اداروں علمی ماہرین نے بڑے غور و خوص کے بعد اپنایا ہے کہ کسی علمی، تحقیقی یا ترجمے سے متعلق کام کو، اس فن کے ماہرین کو جمع کر کے ان کی مشترکہ مساعی سے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔اس اندازِ فکر، طرزِ تحقیق اور طریقِ ترجمہ کو اکبر نے سینکڑوں سال پہلے اپنے دارالترجمہ میں نافذ کر دیا تھا۔اکبر اگرچہ ایک مطلق العنان بادشاہ تھا مگر علوم و فنون، تصنیف و تالیف اور نقل و ترجمہ کرانے کے بارے میں اس کا روّیہ ماہرینِ فن علماء کی طرح تھا۔ مثلاً جب ملابدایونی نے ''اتھرین'' کا ترجمہ کرتے ہوئے اس کی دقیق اور گنجلک عبارتوں کی شکایت کی تو شیخ لہاون کو اس کام میں مدد دینے پر مامور کیا۔ ملا صاحب نے پھر بھی معذوری ظاہر کی تو اکبر نے ناراض ہونے کی بجائے یہ کام فیضی کو سونپ دیا اور جب فیضی بھی اس ترجمہ کو کماحقہ نہ نبھا سکے تو اکبر نے یہ کام حاجی ابراہیم سرہندی کے حوالے کر دیا۔(۳۳)

اکبر نے ترجمہ کی جانے والی بعض کتابوں کے ترجمہ کے متعلق یہ حکم دے رکھا تھا کہ کتاب کا ترجمہ شدہ ایک ایک ورق روزانہ اس کے سامنے پیش کیا جائے۔(۳۴)اس سے ایک تو مترجم حضرات اپنی پوری صلاحیتیں، ترجمہ کرنے پر صرف کرتے تھے دوسرا یہ کہ ان کو بادشاہ سے حوصلہ افزائی اور قدردانی کی امید بندھی رہتی تھی۔ جس سے ترجمہ بہتر ہو سکتا تھا۔

اکبر کو اس بات کا پوری طرح ادراک تھا کہ کسی کتاب کا صحیح ترجمہ اس کی اصل عبارت کو سامنے رکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔اگر کوئی کتاب کسی اور زبان میں ترجمہ ہو کر مشہور ہو چکی ہو اور کتاب کی اصل بھی موجود ہو تو اب کسی تیسری زبان میں ترجمہ کرنے وقت اس کتاب کے ترجمہ کی بجائے اس کی اصل عبارت کو مدِ نظر رکھا جائے۔مثلاً ''کلیلہ و دمنہ ''ایک ہندی عالم نے تصنیف کی تھی جس میں قصص و حکایات کے پیرائے میں حکمت و دانائی کی باتیں جانوروں اور پرندوں کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔ یہ کتاب قدیم سنسکرت کا عظیم شاہکار ہے۔جس کا نوشیروان نے فارسی میں ترجمہ

کرایا تھا۔ دورِ اسلام میں ابو جعفر منصور کے سیکرٹری (کاتب) عبداللہ بن المقفع (متوفی ۱۴۲ھ) نے اس کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ ۱۶۵ھ میں عبداللہ بن ہلال الاہوازی نے یحییٰ بن خالد البرمکی کے لیے اس کا فارسی سے عربی میں از سرِ نو ترجمہ کروایا۔ پھر مدتوں بعد ملا حسین بن علی الواعظ الکاشفی نے سلطان حسین بیکرا کے خاندان کے ایک حکمران امیر سہیلی کے لیے فارسی ترجمے کے تلخیص و تجدید اور تہذیب کی اور اس کا نام ''انوارِ سہیلی'' رکھا۔ (۳۵) اس کتاب میں مشکل الفاظ اور استعارات کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں اور اس وجہ سے اس کا سمجھنا آسان نہیں۔ اکبر نے ابوالفضل کو حکم دیا کہ اصل سنسکرت عبارت کو سامنے رکھ کر اس کا ترجمہ کیا جائے جو آسانی سے سمجھ میں آسکے۔ (۳۶) یہ رویہ اکبر کے ذہن کی زرخیزی اور تحقیقی ذوق کا غماز ہے۔

اکبر نے جن کتابوں کے فارسی یا سنسکرت میں ترجمے کروائے وہ بہت مہتم بالشان اور علمی لحاظ سے بہت بلند مقام رکھتی ہیں۔ مثلاً اکبر نے دمیری کی کتاب ''حیوٰۃ الحیوان'' کا اس زمانے میں فارسی میں ترجمہ کرایا تھا۔ آج کے اس دور میں اس کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے جو بازار میں دستیاب ہے اور ان لوگوں میں متداول ہے جو عربی زبان میں مہارت تو نہیں رکھتے لیکن اسلاف کے علمی کارناموں سے روشناس ہونا چاہتے ہیں۔

اکبر کو اس بات کا احساس تھا کہ تراجم کی عبارت آسان اور پیچیدگیوں سے پاک ہونی چاہیئے چنانچہ جب اس کے حکم سے مولانا شاہ محمد شاہ آبادی نے ''تاریخِ کشمیر'' کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیا تو یہ رواں اور عام فہم نہیں تھا حالانکہ مولانا صاحب بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ اکبر نے یہ ترجمہ ملا عبدالقادر بدایونی کے حوالے کر کے حکم دیا:

> ''ملا شاہ محمد شاہ آبادی کہ فاضلی است جامعِ معقول و منقول حسب الحکم بفارسی ترجمہ کردہ آنرا بعبارتِ سلیس منقح ہویس'' (۳۷)

ترجمے میں سلاست و روانی اور عبارت کی آسانی ایسے امور ہیں جنہیں آج کے علمی و تحقیقی دور میں ماہرینِ لسانیات، ابلاغِ تام کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔

عہدِ اکبری کے علماء اور عربی میں ان کی تصنیفی خدمات:

برصغیر پاک و ہند میں اکبری عہد اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس سے پہلے کسی بھی بادشاہ کے دور میں عربی میں اس قدر کتابیں نہیں لکھی گئیں جتنی اس کے زمانۂ حکومت میں تصنف و تالیف ہوئیں۔ یہ مسلّم حقیقت ہے کہ وہ خود عربی زبان و ادب کا اعلیٰ ذوق نہیں رکھتا تھا تاہم اسے عربی زبان کی علمی و دینی اہمیت کا خوبی احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی تخت نشینی کے تقریباً پچیس سال بعد ۹۸۷ھ میں عربی پڑھنا شروع کی۔ محمد حسین آزاد کا بیان ہے:

> ''علماء کے جھگڑے سن سن کر زبان عربی کی بھی ہوس ہوئی اور صرفِ بہائی شروع کی شیخ مبارک استاد ہوئے۔'' (۳۸)

اب تحصیلِ علم کی عمر گزر چکی تھی اس لیے جلد اس کا جی بھر گیا اور یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ خواجہ نظام الدین احمد نے اکبری دور کے علماء کی ایک طویل فہرست اپنی تاریخ میں پیش کی ہے جو ننانوے (۹۹) اسماء پر مشتمل ہے۔ اس نے سڑسٹھ مشائخ کے نام بھی گنوائے جن میں کئی نامور مصنف بھی تھے اور حکماء کی فہرست چھبیس (۲۶) ناموں پر مشتمل ہے جن میں سے کئی ایک نے، عربی اسلامی طب کی کتابوں پر شروح و حواشی بھی لکھے ہیں (۳۹)، شیخ اکرام رقمطراز ہیں:

> ''اس کے دربار میں تصنیف و ترجمہ کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو گیا کہ دارالخلافہ میں ایک طرح کی اکیڈمی قائم ہو گئی۔ جس میں ملک بھر سے برگزیدہ اہلِ قلم تصنیف و تالیف میں مشغول تھے۔ جنہوں نے ادبی معیار کو بہت بلند کر دیا۔'' (۴۰)

ابو الفیض فیضی:

وہ ۹۵۴ھ میں آگرہ میں پیدا ہوا، چودہ سال کی عمر میں اپنے والد سے تمام متداولہ علوم سیکھ لیے۔ ۹۷۴ھ میں دربارِ اکبری سے منسلک ہو گیا۔ اسے شاعری، عروض، لغت، تاریخ، معمہ بازی اور طب میں مہارت حاصل تھی۔ وہ کتابوں کا بھی بہت شوقین تھا۔ عبدالحی الحسنی کا بیان ہے:

کان حریصاً علی جمع الکتب النفیسة بذل علیها أموالاً
طائلةً و جمع ثلاث مأة و أربعة آلاف من الکتب المصححة
النفیسة أکثرها کانت مکتوبةً بأیدی مصنفیها"(۴۲)

مآثرالأمراء میں ہے:

"کہتے ہیں کہ شیخ فیضی کے ترکے میں چار ہزار تین سو صحیح و نفیس
کتابیں ضبط ہوکر سرکارِ شاہی میں آئیں۔"(۴۳)

اس کی علمی فضیلت کی سب سے بڑی شہادت تفسیر "سواطع الالہام" ہے جو بے نقط ہے۔ اکبر نے اس تصنیف پر اس کو دس ہزار روپے عنایت کیے۔ علمائے زمانہ نے اعتراض کیا کہ ممتاز علماء میں سے کسی نے بے نقط تفسیر نہیں لکھی اگرچہ وہ علوم و تفسیر میں بہت ملکہ رکھتے تھے۔ شیخ فیضی نے جواب دیا کہ جب کلمہ طیبہ ___ جس پر ایمان کا انحصار ہے ___ بے نقط ہے تو پھر تفسیرِ بے نقط کے جواز کے لیے کون سی دلیل کی ضرورت ہے۔(۴۴)

یہ ایک مشکل علمی کام تھا اور سخت ذہنی ورزش کا متقاضی بھی۔ صنعتِ مہملہ میں تفسیری مضامین کا بیان کرنا اس صنعت میں اس کی مہارت کی دلیل ہے لیکن اس تفسیر میں اس کے علاوہ کوئی مابہ الامتیاز خصوصیت نہیں ہے۔ شبلی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"سخت تعجب ہے کہ فیضی جیسے حکیم اور فلسفہ پسند شخص نے کیونکر
بیہودہ مغزکاوی گوارا کی۔ تفسیر کو پڑھ کر بجز اس کے کہ مہمل الفاظ
کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے اور کچھ اثر طبیعت پر نہیں ہوتا۔ سچ ہے
کہ اور کوئی شخص اس کمان کو زہ نہیں کر سکتا تھا لیکن بہر حال یہ ایک
لغو کام ہے۔"(۴۵)

موارد الکلم و سلک درر الحکم:

فیضی نے سواطع الالہام لکھنے سے پہلے صنعتِ مہملہ میں مشق بہم پہنچانے کے لیے یہ کتاب لکھی۔ جس کا موضوع مواعظ و اخلاقیات ہے۔ مولانا شبلی نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ

کلکتہ میں چھپ چکی ہے۔(۴۶) یہ ۹۸۵ھ کی تصنیف ہے۔ فیضی نے اسے بلاد عرب میں بھیجا تھا اور لوگوں نے حسبِ دستور اس کی داد دی۔ڈاکٹر زبید احمد نے اس کا مندرجہ ذیل اقتباس نقل کیا ہے :

"هَلِّلُوْا وَصَلُّوْا وَصُوْمُوْا وَ دُوْرُوْا حَوْلَ الْحَرَمِ مُوَاسِمَه
وأَكْمِلُوْا مَعَ الإحْرَامِ مَرَاسِمَه وأَعْطُوا مالا مأموراً لِلصَّعْلُوْكِ
وَهُوَا لإسْلَامُ"(۴۷)

مندرجہ بالا اقتباس میں فیضی نے اسلام کے پانچ ارکان بیان کئے ہیں۔بہر حال فیضی کو عربی و فارسی میں مہارت حاصل تھی۔البتہ اس کی عربیت میں تکلف کو بھی دخل ہے۔اس زمانے کی دو بڑی علمی و ادبی زبانوں میں اس کی کی مہارت، دربارِ شاہی میں اس کے لیے عزت کا باعث بنی رہی۔عادل نویہض کا بیان ہے :

"عارف بالأدبين العربى و الفارسى، مشارك فى بعض العلوم"(۴۸)

فیضی ایک ایسا عالم ہے کہ ہر زمانے کے تذکرہ نویسوں نے اس کی صعتِ مہملہ میں مہارت کی داد دی ہے۔

مولانا اللہ داد لکھنوی :

انہوں نے لکھنو میں علم حاصل کیا اور وہیں پر ہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔اکبر آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا لیکن آپ نے ملنے سے انکار کر دیا۔اکبر نماز کے وقت جامع مسجد میں خود آکر آپ سے ملا اور افتاء و قضا کا عہدہ سونپا۔جسے قبول کئے بغیر مولانا کے لیے کوئی چارہ نہ تھا۔پھر اپنی وفات تک اس عہدے پر فائز رہے۔(۴۹)

علم نحو میں مولانا نے "القطبی" نامی ایک رسالہ لکھا۔جس میں اصطلاحاتِ قواعد کی تعریفوں میں بڑی عرق ریزی سے مثالیں پیش کی ہیں۔۹۹۱ھ میں وفات پائی۔(۵۰)

شیخ تاج الدین دہلوی :

علم منطق اور حکمت و تصوف کے میدان میں مشہورِ زمانہ علماء میں سے تھے۔اکبر نے

انہیں اپنے درباریوں میں شامل کر لیا تھا۔ ''شرح اللوائح اور شرح نزھتہ الأرواح'' ان کی تصانیف ہیں۔(۵۱)

مولانا عبد الأوّل جونپوری :

شیخ عبد الأوّل جونپوری نے اپنے دادا علاؤالدین سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصہ گجرات میں قیام کیا۔ پھر حرمین شریفین کی زیارت کے لیے چلے گئے۔ حج کیا اور ہندوستان واپس آ کر احمد آباد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آخری عمر میں دہلی آ گئے تھے۔ آپ کی تصنیفات میں ''فیض الباری شرح صحیح البخاری'' اور ''المنظومتہ فی المواریث'' بہت مشہور ہیں۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے مطابق اس منظومہ میں انہوں نے ''فرائض سراجی'' جو کہ علم میراث کی کتاب ہے اسے منظوم کر دیا ہے۔(۵۲) آپ نے ۹۶۸ھ میں وفات پائی۔(۵۳)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی :

۹۵۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔(۵۴) مولانا عبد الحیٔ حسنی نے آپ کو ہندوستان میں پہلا شخص قرار دیا ہے جس نے تالیف و تدریس کے ذریعے علم حدیث کی خدمت کی۔ آپ نے بارہ برس کی عمر میں تمام درسی علوم و فنون میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ ۹۹۵ھ میں حج کے لیے تشریف لے گئے دورانِ سفر احمد آباد میں قیام کیا اور شیخ وجیہ الدین گجراتی کی خدمت میں رہے۔ ۹۹۶ھ میں حج ادا کیا اور دس ماہ مکہ میں مقیم رہے وہاں آپ نے شیخ عبد الوہاب المتقی اور قاضی علی بن جار اللہ المخزومی المکی اور مدینہ طیبہ میں شیخ احمد بن محمد بن أبی حزم المدنی اور شیخ حمید الدین السندی سے علم حدیث حاصل کیا اور ان سے حدیث میں اجازت لی۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔

''لمعات التنقیح فی شرح مشکٰوة المصابیح، جمع الأحادیث الأربعین فی أبواب علوم الدین، رسالة أقسام الحدیث، ماثبت بالسنة فی أیام السنة، الإکمال فی أسماء الرجال، فتح المنان فی تائیدالنعمان، تحصیل التعرف فی معرفة الفقه والتصوف، تنبیه العارف بما وقع فی العوارف، الدرة البهیة فی اختصار رسالة الشمسیة، زبدة الآثار منتخب بهجة الأسرار'' وغیرہ آپ کی مشہور عربی تصانیف ہیں۔''(۵۵)

شیخ عبد العزیز دہلوی:

۹۹۲ھ میں جونپور میں پیدا ہوئے۔ صوفی بزرگ تھے اور انہوں نے سلسلۂ تصوف کے مختلف بزرگوں سے کسبِ فیض کیا۔ تفسیر و تصوف کا درس دیتے تھے۔ جس میں ''عرائس البیان، عوارف المعارف، فصوص الحکم'' اور ان کی شروحات بھی پڑھاتے تھے۔

ان کی تصانیف بیس سے متجاوز ہیں۔ ان میں سے شرح ''الحقیقة المحمدیة'' جو شیخ وجیہ الدین گجراتی کی ''الحقیقة المحمدیة'' کی شرح ہے اور ''الرسالة العینیة فی رد علی الغیریة'' ہے جو عبد الملک بن عبد الغفور کی رد میں ہے۔ اس کے علاوہ ''الرسالة العزیزیة فی الأذکار والأشغال'' بھی آپ کی تصانیف میں سے ہے۔ (۵۶)

مولانا عبد القادر الأجینی:

بغداد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بچپن میں وفات پا گئے ان کے چچا انہیں ہندوستان لے آئے۔ انہوں نے گجرات میں ملّا حسن عرب ڈابھیلی سے فقہ اور شیخ حسین بغدادی سے منطق و حکمت سیکھی۔ قاضی علاؤالدین عیسیٰ احمد آبادی سے علم کلام حاصل کیا۔ پھر شیخ وجیہ الدین گجراتی کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور دوسری تمام درسی کتب ان سے پڑھیں۔ اکبر نے جب گجرات فتح کیا تو یہ آگرہ آ گئے اور اکبری دربار کے مشہور ایرانی عالم فتح اللہ شیرازی سے معقولات میں بھی استفادہ کیا۔ (۵۷)

ابو الفیض فیضی کے ساتھ اس کے سفر گجرات میں مصاحبت کی۔ فیضی کی واپسی پر اجین میں مقیم ہو گئے۔ ان کی تصنیفات میں عربی کا ایک دیوان ہے۔ جس کے بارے میں غوثی شطاری نے لکھا ہے:

''اس کے قصائد کا انداز متنبّی کے شاعرانہ اسلوب جیسا ہے۔'' (۵۸)

اس کے علاوہ ''رسالة فی مناقب أبی الفیض فیضی'' بھی ہے۔ جس کے بارے میں غوثی شطاری کا بیان ہے کہ اس میں فیضی کے نمائشی حالات خود فیضی کی زبانی سن کر لکھے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی تصنیفات میں ''رسالة فی مدح العلم'' ہے۔ جسے انہوں نے ابو الفضل کے نام سے معنون

کیا ہے۔(۵۹)

ملا عبدالقادر بدایونی :

۹۴۷ھ میں پیدا ہوئے اپنے نانا مخدوم اشرف سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر ملّا مبارک ناگوری کے شاگرد ہوئے۔(۶۰) آزاد نے ان کے بارے لکھا ہے :

> ''بافضیلت ہمی طبع نظم و سلیقہ انشاء عربی و فارسی و چیزے از نجوم ہندی و حساب و وقوف نغمہ ولایت و ہندی و شطرنج صغیر وکبیر نیز داشت۔''(۶۱)

انہوں نے بادشاہ کے حکم سے معجم البلدان اور الجامع الرشیدی کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب الأحادیث ہے جس میں جہاد کی فضیلت کے بارے میں احادیث جمع کی ہیں۔(۶۲)

اکبر ملا صاحب کو ان کی دینی وابستگی کی وجہ سے ناپسند کرتا تھا اور اس نے انہیں اجمیر میں روضے کا متولی بنا کر بھیجنے کا عندیہ بھی دیا۔ اس پر بدایونی بہت خوش ہوئے لیکن انہیں اجمیر نہ بھیجا گیا اور بادشاہ نے ابوالفضل سے کہا :

> ''اگرچہ از فلانے (بدایونی) خدمتِ اجمیر ہم خوب می آید۔ امّا چوں چیز ہارا باو ترجمہ میفرمائیم۔ بسیار خوب و خاطر خواہِ مامی نویسد، نے خواہیم کہ از ماجدا باشد''(۶۳)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر اسے ناپسند کرنے کے باوجود اس کی علمی و ادبی قابلیت و لیاقت کی بناء پر اسے اپنے دربار سے جدا کرنا گوارا نہ کرتا تھا۔ مندرجہ بالا اقتباس سے ایک طرف تو بدایونی کی علمیت و ادبیت کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف خود اکبر کی قدر دانی اور جوہر شناسی ظاہر ہوتی ہے۔

ملّا عبداللہ سلطانپوری :

ملّا عبداللہ سلطانپوری نے سرہند میں علامہ عبداللہ سرہندی سے درسِ نظامی کا مکمل نصاب پڑھا اور دہلی میں شیخ ابراہیم بن المعین الحسینی الایرجی سے علمِ حدیث حاصل کیا

پھر تدریس و تصنیف کے کام میں لگ گئے۔ ہمایوں نے شیخ الاسلام کا خطاب دیا۔ شیر شاہ نے صدرالاسلام اور اکبر نے مخدوم الملک کے خطاب سے نوازا۔ ۹۸۷ھ میں حج کے لیے حرمین شریفین گئے تو وہاں کے علماء نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور شیخ شہاب الدین ابن حجر مکی نے بھی بڑی قدر افزائی کی۔ کچھ عرصہ مکہ میں مقیم رہے پھر ہندوستان واپس آگئے اس وقت اکبر کا دل ان سے پھر چکا تھا۔ ان کی تصنیفات میں کشف الغمة، منهاج الدين، شرح العقيدة الحافظية اور عصمة الأنبياء شامل ہیں۔ ڈاکٹر زبید احمد نے بانکی پور کے کتب خانے میں عصمة الأنبياء کے مخطوطہ کی نشاندہی کی ہے۔ (۶۴)

شیخ عبد النبی :

دہلی کے رہنے والے تھے۔ اکبر نے انہیں صدر الصدور بنا دیا تھا۔ وہ دس سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ (۶۵) انہیں کئی بار حرمین شریفین جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہ حدیث میں ابن حجر مکی کے شاگرد تھے۔ مولانا عبد الحئ لکھنوی لکھتے ہیں :

> ''انہوں نے عبد النبی کی ایک تصنیف ''ردطعن الإمام المروزی الشافعی علی الإمام أبی حنیفة نعمان'' میں پڑھا ہے کہ انہوں نے ۹۸۸ھ میں شیخ الاسلام قاضی حسین کی معرفت حرمین شریفین کے اہلیان پر اکبر بادشاہ کی طرف سے عطیات تقسیم کئے تھے۔ ابتدائے امر میں اکبر بادشاہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا اور ان کی مجلس میں حدیث سننے کے لیے جایا کرتا تھا اور ان کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔'' (۶۶) (ترجمہ از محقق)

بعد ازاں وہ ان کے درپے آزار ہو گیا تھا۔ بادشاہ کی ناراضگی کے بعد وہ حرمین شریفین چلے گئے اور ایک عرصہ تک حجاز مقدس میں مقیم رہے۔ انہوں نے ۹۹۱ھ میں وفات پائی۔ (۶۷)

ان کی تصنیفات میں وظائف النبیؐ فی الأدعیة المأثورة، سنن الهدیٰ فی متابعة المصطفیٰؐ، رسالة فی حرمة الساع اور رسالة رد طعن القفال المروزی علی الإمام أبی

حنیفة شامل ہیں۔(۶۸)

میر فتح اللہ شیرازی:

میر کمال الدین شیرازی اور میر غیاث الدین شیرازی کے شاگرد ہیں۔ایران سے بیجاپور آگئے تھے اور ۹۹۱ھ میں اکبر بادشاہ کی طلب پر اس کے دربار سے وابستہ ہوئے۔(۶۹)

ان کی تصنیفات میں "تکملة حاشية الدوانی علی تهذيب المنطق اور الحاشية علی حاشيه الدوانی" قابل ذکر ہیں۔(۷۰)

ملّا مبارک بن خضر ناگوری:

۹۱۱ھ میں ناگور میں پیدا ہوئے اور طلبِ علم کے لیے احمد آباد گجرات جا کر خطیب ابو الفضل گازرونی سے علم حاصل کیا جو جلال الدین دوانی کے شاگرد تھے انہوں نے اکبر بادشاہ کو کچھ دن صرف بہائی بھی پڑھائی تھی۔(۷۱)وہ جملہ امور میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ عبدالحئ الحسنی لکھتے ہیں:

"كان يقرأ القرآن بالقراءات العشرو يدرس "الشاطبی"
و كان كثيرالمطالعة دائم الاشتغال بالدرس و الإفادة سريعَ
الإدراك قویّ الحفظِ لم يكن يحفظ شيئاً فينسأ"(۷۲)

انہوں نے اپنے بڑھاپے میں چار ضخیم جلدوں میں "منبع نفائس العيون" کے نام سے تفسیر لکھی۔(۷۳)

حاجی محمد کشمیری:

خواجہ نظام الدین احمد نے انہیں علومِ عقلی و نقلی کا عالم قرار دیا ہے۔(۷۴)انہوں نے دہلی میں تعلیم حاصل کی اور حضرت خواجہ باقی نقشبندی دہلوی کی خدمت میں رہے پھر کشمیر چلے گئے۔ ان کی تصنیفات میں "شرح الحصن الحصين، شرح شمائل الترمذی اور كتاب فضائل القرآن" کا نام لیا جاتا ہے۔"مصباح الشريعة اور شرح الأوراد" بھی ان کی تصانیف ہیں۔(۷۵)

شیخ منور لاہوری :

شیخ منور بن عبدالمجید لاہوری، شیخ سعد اللہ لاہوری کے شاگرد تھے۔ بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ ہفت قرأت کے ماہر تھے۔ اکبر نے انہیں ۹۸۴ھ میں مالوہ میں دینی امور کا صدر مقرر کیا۔ جہاں تین سال تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ۹۹۵ھ میں اکبر نے انہیں معزول کر کے گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا۔ قید کے دوران انہوں نے ''الدرالنظیم فی ترتیب الآی و سورالقرآن الکریم'' لکھی۔ اسی دوران قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی فارسی تفسیر کا عربی میں ترجمہ کیا۔(۷۶)

ان کے علاوہ آپ کی تصنیفات میں ''شرح طوالع، شرح بدیع البیان المسمّٰی بحدائق البیان اور رسالۃ الحق الصریح فی اثبات عدم قبول التوبۃ لساب النبیؐ'' قابل ذکر ہیں۔ یہ رسالہ رسول پاکؐ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی توبہ قبول نہ ہونے کے بارے میں ہے۔(۷۷)

علاوہ ازیں ''شرح القصیدۃ للبوصیری، شرح ارشاد للقاضی شہاب الدین اور شرح مشارق الأنوار للصاغانی'' بھی آپ کی تالیفات میں شامل ہیں۔(۷۸)

قاضی نوراللہ شوستری :

۹۵۶ھ میں تستر میں پیدا ہوئے۔ مشہد میں علم حاصل کیا اور حکیم ابوالفتح گیلانی کے توسط سے دربارِ اکبری تک رسائی حاصل کی۔ اکبر نے انہیں لاہور کا قاضی مقرر کر دیا۔ بعد ازاں جہانگیر کے دور میں بھی کچھ عرصہ منصب قضا پر فائز رہے۔ ان کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں جن میں سے حاشیۃ علی تفسیرالبیضاوی، حاشیۃ علی تہذیب الکلام، حاشیۃ علی شرح الشمسیۃ، حاشیۃ علی شرح الجامی، حاشیۃ علی المیبذی اور حاشیۃ علی المطول، قابل ذکر ہیں۔(۷۹)

مولانا وجیہ الدین گجراتی :

۹۲۱ھ میں گجرات میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے فاضل اساتذہ سے علم

حاصل کرنے کے بعد بیس برس کی عمر میں درس و افتاء کا سلسلہ شروع کر دیا۔ شیخ محمد غوث گوالیاری سے سلسلۂ شطاریہ میں اجازت لی۔ آپ کثیر کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں سے اکثر تصنیفات مختلف کتابوں کی شروح اور حواشی ہیں۔ آپ کی تصانیف میں سے "حاشية على تفسيرالبيضاوی، حاشية على أصول البزدوی، حاشية على الهداية للمرغينانی، حاشية على شرح العقائد للتفتازانی، حاشية على شرح المواقف، للجرجانی، حاشية على شرح الجغمينی، حاشية على الكافية للجامی "اور شروح میں آپ نے "شرح على رسالة للقوشجی فی الهيئة، شرح على أبيات التسهيل اور شرح على اللوائح" مشہور ہیں۔(۸۰)

شیخ یعقوب صرفی کشمیری:

انہوں نے قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد رضی الدین سے صرف، ور فقہ کی تکمیل کی۔ پھر مولوی نصیر الدین کے پاس منطق اور حکمت و معانی کا علم حاصل کیا۔ حرمین شریفین جا کر ابن حجر مکی کے درسِ حدیث میں شامل ہوئے اور اس علم میں مہارت حاصل کی۔ آپ کی تصنیفات میں "شرح صحيح البخاری، مغازی النبوة، مسلك الأخيار، مناسك حج" وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۰۰۳ھ میں فوت ہوئے۔(۸۱)

مرتضٰی شریفی:

ان کا سلسلۂ نسب میر علی جرجانی تک پہنچتا ہے جو بہت سی مشہور کتب کے مصنف ہیں۔ انہوں نے شیخ عبد الصمد البغدادی سے منطق و حکمت اور سیر میرک شاہ سے حدیث پڑھی۔ شاہ اسماعیل صفوی کے زمانے میں خراسان کے قاضی رہے۔ پھر حجازِ مقدس کے سفر کو چلے گئے اور ابن حجر مکی کے شاگرد ہو گئے۔ وہاں سے ہندوستان کی راہ لی اور دکن میں آکر مقیم ہو گئے۔ پھر ۹۷۲ھ میں دربارِ اکبری سے وابستہ ہو گئے۔ ان کی تصانیف میں فن نحو میں "منظومة الكافية" کا نام لیا جاتا ہے۔(۸۲) اس کے علاوہ آگرہ میں درس و تدریس اور علوم کی اشاعت کے سلسلے میں ان کی خدمات ہیں۔ خواجہ نظام الدین احمد نے ریاضیات اور حکمت میں ان کی تدریسی خدمات کا تذکرہ کیا

ہے۔(۸۳)

اکبری دور میں علماء کی اس قدر عربی تصانیف کے تذکرے سے یہ بات واضح ہے کہ اگرچہ اکبربذاتِ خود عالم و فاضل نہ تھا لیکن اس کے در میں عربی و اسلامی ادبیات کے شعبے میں علماء کی تصنیفی سرگرمیاں برصغیر کے گزشتہ حکمرانوں کے ادوارِ حکومت کی نسبت کہیں زیادہ تھیں۔ گو اس کے دربار میں عربی کو فارسی اور دیگر مقامی زبانوں کے برابر اہمیت حاصل نہ تھی لیکن اس نے عربی زبان کو نظر انداز بھی نہیں کیا۔ بادشاہ بن جانے کے سالوں بعد اس نے عربی سیکھنے کی جو کوشش کی وہ اس بات کی غماز ہے کہ اسے اس زبان کی علمی و ادبی اور دینی و لسانی اہمیت کا بخوبی علم تھا۔ علاوہ ازیں عربی میں اعلیٰ پائے کی علمی و ادبی تصانیف پر علماء کی انعام و اکرام سے حوصلہ افزائی، شاہی کتب خانے میں عربی کتابوں کے سیکشن، عربی کی شاہکار کتابوں کے فارسی میں تراجم، بلند پایہ عربی کتابوں کو دربار میں پڑھوا کر ان کی سماعت اور عربی دانوں سے ان کے مطالب سمجھنے کی کاوشیں، اس کے علمی شوق اور ادبی ذوق کی آئینہ دار ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱- بزمِ تیموریہ، ص ۱۰۲ (حوالہ بدایونی)
۲- ایضاً، ص ۱۰۴
۳- مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۱۵۳
۴- آئینِ اکبری، جلد اوّل، حصہ اوّل، ص ۱۹۱ (آئینِ اکبری کے مطبوعہ اردو ترجمے کی دو جلدیں ہیں اور جلد اوّل کے دو حصے)
۵- توزکِ جہانگیری، ص ۱۵
۶- بزمِ تیموریہ، ص ۱۰۵ (حوالہ تاریخ فرشتہ، جلد اوّل، ص ۲۷۱)
۷- دربارِ اکبری، ص ۱۱۳-۱۱۴
۸- تاریخِ ہندوستان، جلد پنجم، ص ۱۵
۹- آئینِ اکبری، جلد اوّل، حصہ اوّل، ص ۱۹۱
۱۰- منتخب التواریخ، جلد دوم، ص ۲۰۴
۱۱- بزمِ تیموریہ، ص ۱۱۱
۱۲- آئینِ اکبری، جلد اوّل، حصہ اوّل، ص ۱۹۰-۱۹۱
۱۳- دربارِ اکبری، ص ۱۱۴
۱۴- ایضاً، ص ۱۱۴
۱۵- بزمِ تیموریہ، ص ۲۵۶-۲۵۷
۱۶- تاریخِ ہندوستان، جلد پنجم، ص ۹۹۸
۱۷- مقالاتِ شبلی، جلد سوم، ص ۹
۱۸- ایضاً، جلد سوم، ص ۱۰
۱۹- ایضاً، جلد سوم، ص ۱۱
۲۰- ایضاً، جلد سوم، ص ۱۶
۲۱- آئینِ اکبری، جلد اوّل، حصہ اوّل، ص ۱۹۲
۲۲- ایضاً، جلد اوّل، حصہ اوّل، ص ۱۹۲
۲۳- مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، ص ۱۵۵

۲۴- آئینِ اکبری، جلد اوّل، حصہ اوّل، ص ۱۹۱

۲۵- بزمِ تیموریہ، ص ۱۱۰

۲۶- منتخب التواریخ، جلد سوم، ص ۱۰

۲۷- تاریخِ ہندوستان، جلد پنجم، ص ۶۵۰

۲۸- بزمِ تیموریہ، ص ۱۱۶-۱۱۷

۲۹- ایضاً، ص ۱۱۸

۳۰- ایضاً، ص ۱۱۸

۳۱- ایضاً، ص ۱۱۶

۳۲- ایضاً، ص ۱۱۰

۳۳- ایضاً، ص ۱۱۰

۳۴- ایضاً، ص ۱۰۹

۳۵- کشف الظنون، جلد دوم، ص ۱۵۰۷-۱۵۰۹

۳۶- بزمِ تیموریہ، ص ۱۱۵

۳۷- منتخب التواریخ، جلد سوم، ص ۱۰

۳۸- دربارِ اکبری، ص ۱۱۳

۳۹- طبقاتِ اکبری، جلد دوم، ص ۴۸۳-۵۲۳

۴۰- رودِ کوثر، ص ۸۳

۴۱- مآثر الکرام، ص ۱۸۴

۴۲- نزھۃ الخواطر، جلد پنجم، ص ۳۱

۴۳- مآثر الامراء، جلد دوم، ص ۵۹۲

۴۴- ایضاً، جلد دوم، ص ۵۹۲

۴۵- شعر العجم، جلد سوم، ص ۵۹

۴۶- ایضاً، جلد سوم، ص ۵۷

۴۷- عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ص ۲۲۳

۴۸- معجم المفسرین، جلد اوّل، ص ۴۲۳

۴۹- نزھۃ الخواطر، جلد چہارم، ص ۳۹

۵۰- ایضاً، جلد چہارم، ص ۳۹

۵۱- ایضاً، جلد پنجم، ص ۱۰۹-۱۱۰

۵۲- اخبارالاخیار، ص ۲۵۳

۵۳- ایضاً، ص ۲۵۳

۵۴- حدائقِ حنفیہ، ص ۴۳۰

۵۵- نزھۃ الخواطر، جلد پنجم، ص ۲۱۹-۲۳۰

۵۶- ایضاً، جلد چہارم، ص ۱۶۴-۱۶۵

۵۷- ایضاً، جلد پنجم، ص ۲۵۲-۲۵۳

۵۸- گلزارابرار، ص ۵۴۹

۵۹- ایضاً، ص ۵۴۹

۶۰- نزھۃ الخواطر، جلد پنجم، ص ۲۵۸

۶۱- مآثرالکرام، ص ۳۸

۶۲- نزھۃ الخواطر، جلد پنجم، ص ۲۶۰-۲۶۱

۶۳- رودِ کوثر، ص ۸۴ (شیخ اکرام نے حوالہ دیئے بغیر یہ فارسی اقتباس نقل کیا ہے۔ یہ عبارت ''منتخب التواریخ'' جلد دوم، صفحہ ۴۰۱ پر موجود ہے۔)

۶۴- عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ص ۳۳۸

۶۵- طبقاتِ اکبری، جلد دوم، ص ۴۸۶

۶۶- طرب الاماثل، ص ۲۸۳

۶۷- ایضاً، ص ۲۸۴

۶۸- نزھۃ الخواطر، جلد چہارم، ص ۱۹۸

۶۹- مآثرالکرام، ص ۲۲۶-۲۲۷

۷۰- نزھۃ الخواطر، جلد چہارم، ص ۲۲۷

عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ص ۳۵۶

۷۱- دربارِاکبری، ص ۱۱۳

۷۲- نزھۃ الخواطر، جلد پنجم، ص ۲۴۶-۲۴۸

۷۳- سبحۃ المرجان، ص ۴۵ پر اس کا نام ''منبع عیون المعانی'' لکھا ہے۔

۷۴- طبقاتِ اکبری، جلد دوم، ص ۴۹۱-۴۹۲

۷۵- نزھۃ الخواطر، جلد پنجم، ص ۱۳۸